ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

نفس مطمئن کے تناظر میں جدید مرثیہ نگاری کا تجزیاتی جائزہ

The Analytical Study of Modern Marsiya Writing in the Context of Nafas-e-Mutmainnah

محمد نذیر
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی، کراچی
سید صداقت علی
ایم فل اسکالر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی، کراچی
ذوالفقار علی
ایم فل اسکالر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی، کراچی

Muhammad Nazir
Ph.D Scholar, Department of Urdu, University of Karachi, Karachi
Syed Sadaqat Ali
M.Phil Scholar, Department of Urdu, University of Karachi, Karachi
Zulfiqar Ali
M.Phil Scholar, Department of Urdu, University of Karachi, Karachi

Abstract:
Marsiya writing is a popular genre in Urdu literature, originating from the Arabic word "Ritha," meaning lamentation over the deceased. In literary terms, it refers to poetry expressing sorrow and reverence for Imam Hussein's martyrdom at Karbala.The foundation of Marsiya was laid in Dakan (Deccan), but it was Mir Anis and Mirza Dabeer who elevated it to new heights. They introduced elements like scene-setting, emotional expression, character portrayal, and event narration, making the genre captivating.Josh Malihabadi's Marsiya, "Awaz-e-Haq," marked the beginning of modern Marsiya writing in Urdu. Josh's approach was revolutionary, and his style influenced many poets. He introduced new themes, including revolution, the message of Karbala, and contemporary issues.Notable modern Marsiya poets include Syed Ali Raza, Naseem Amrohvi, Jameel Mazhari, Najm Aafari, Shahid Hassan Naqvi, and others. These poets have effectively highlighted the atrocities inflicted upon the Ahl-e-Bait (Prophet's family) in Karbala.This article analyzes Shahid Naqvi's first Marsiya collection, "Nafas-e-Mutmainnah." The collection comprises eight Marsiyas, exploring themes like sacrifice, Imamate, Quran, and human relationships.

Keywords: Nafas-e-Mutmainnah, Sacrifice, Imamate, Message of Karbala, Resolve of Hussein, Path of Submission, Quran and Ahl-e-Bait, Mother's Heart

مقدمہ شعر و شاعری کے مصنف اور اردو کے اولین ناقد و سوانح نگار الطاف حسین حالی نے مرثیے کی صنف کو اردو شاعری کے لیے پسندیدہ صنف قرار دے کر یہ کہا تھا کہ مرثیہ کی وجہ سے اردو میں الفاظ و معانی کا ایک جہاں آباد ہوا ہے۔کسے خبر تھی کہ ایک عرصے تک بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں کہنے والے صنف مرثیہ اور مرثیہ خواں نہ صرف پسندیدہ صنف ہو گی بلکہ عہد بہ

عہد ارتقائی سفر طے کر کے اکیسویں صدی کے جملہ اصناف سے آگے نکل جائے گی۔ میر انیس و مرزا دبیر کا عہد اردو مرثیہ نگاری کا عہد زرین ہے انھوں نے مرثیہ نگاری میں وہ نام کمایا کہ دوسرے شعراء ان کی بلندی اور عروج پر محو حیرت رہے یہ سلسلہ کافی عرصے تک جاری رہا۔(۱)

اکیسویں صدی تک آتے آتے شاعر شباب جوش ملیح آبادی نے "آوازہ حق" شائع کر کے انیس و دبیر کی سحر انگیزی کو توڑ ڈالا اسی طرح سید آل رضا نے بھی فکری و فنی اعتبار سے مرثیہ کو جدید تر کر دیا۔ یوں اس صنف نے نئے سفر کا آغاز کیا اسی طرح مرثیہ نگاری نے اپنے آپ کو عہد جدید سے ہم آہنگ کیا۔ یوں آج ہم مرثیہ نگاری کے ساتھ ساتھ جدید مرثیہ نگاری پر بھی بحث کرتے ہیں۔ جوش نے مرثیے کو انقلاب، پیغام کربلا، تازہ کربلا، عزم حسین، حسین اور انقلاب کے ساتھ عہد حاضر کے مسائل کو مرثیے میں بیان کر کے دنیا کے حریت پسندوں کو امام حسینؑ کے نقش قدم پر چلنے کی نہ صرف تلقین کی بلکہ دبے الفاظ اور ببانگ دہل یہ کہا کہ اکسٹھ ہجری کا معرکہ صرف اکسٹھ ہجری کا نہیں بلکہ تا قیام قیامت ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا سلیقہ بھی کربلا کی مرہون منت ہے۔ یعنی بقول جوش ملیح آبادی:

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ　　چرخ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو　　ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ(۲)

حسب بالا موضوع نفس مطمئن کے تناظر میں مرثیہ نگاری کی فنی و فکری جائزے سے متعلق ہے اس سے قبل اگر ہم بہ نظر غائر تمام مرثیہ نگاروں کے کلام کا جائزہ لیں تو ہمیں مرثیوں کی دو قسمیں بڑی صاف نظر آتی ہیں۔ کچھ ایسے مرثیہ گو ہے جو "عمودی" کے قائل ہے۔ وہ اپنے مرثیوں کو فکر سے سجاتے ہیں اور ان میں فکر کی تہیں محسوس ہوتی ہیں فکر کو بلند کرنے کے لیے وہ شاعرانہ مصوری کی پروا نہیں کرتے اور نہ مرثیے کے بندٹکے اصولوں کی پروا کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی فکر اور سوچ عوام تک منتقل ہو جائے یہی سبب ہے کہ شاعرانہ محاسن اور بہت سی شعری نفاستیں ان کے مرثیوں میں بہت کم ملتی ہیں تاہم فکر اور تعقل پسندی کا انبار لگا ہوتا ہے۔ دوسری قسم "معروضی مرثیے" کی ہے۔ ان مرثیوں میں فکر کی کمی ہوتی ہے لیکن پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے مرثیہ گو جسم سے زیادہ لباس پر نظر رکھتے ہیں اور ایک ہی بات کو تشبیہات اور استعارات کے پردے میں بیان کرتے ہیں۔ تمام صنعتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائی جاتی ہیں اور مرثیے کو چمکانے اور زیادہ حسین بنانے کے لیے صنائع بدائع کے زیورات پہنائے جاتے ہیں۔ ایسے مرثیوں میں لفاظی کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ محاورات اور روز مرہ بڑی خوبی سے استعمال ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہری چمک دمک دیکھ کر عام قاری ایسے مرثیوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ شاعر کو داد بھی ملتی ہے اور مجلسِ مرثیہ کامیاب بھی کہی جاتی ہے لیکن مجلس سے اٹھ جانے کے بعد گھر پہنچنے تک ایک بھی مصرع یاد نہیں رہتا۔ پہلے گروہ میں نجمؔ آفندی اور آل رضا شامل ہیں اور دوسرے گروہ میں جوشؔ اور جمیلؔ مظہری آتے ہیں۔ نسیمؔ امروہوی مرثیے میں تسلسل کے قائل تو ہیں کیونکہ ان کے ہاں عمودی مرثیے کے نقش و نگار ملتے ہیں لیکن وہ مرثیہ نگار سے زیادہ واقعہ نگار معلوم ہوتے ہیں۔ نسیم امروہوی واقعات کو بڑی خوبی سے نظم کرتے ہیں لیکن ان کے مرثیوں میں استدلالی عقلیت اور مقصدیت نہیں پائی جاتی جو آل رضا سے مربوط ہے یہی سبب ہے کہ نسیم امروہوی تاریخی تسلسل کے قائل ہوتے ہیں اور ان کے تمام مرثیوں کا امتیازی مقصد ایک ہی نظر آتا ہے۔ شاہد نقوی، نجم آفندی اور آلِ رضا سے براہ راست متاثر ہیں۔ ان کے ہاں فکری تسلسل اور مقصدیت بہت زیادہ نمایاں ہے۔ یہ فکر تہہ در تہہ نظر آتی ہے۔ آپ اپنے مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے جدت افکار اور فکری امیج کا سہارا لیتے ہیں۔ اگر ہم شاہد نقوی

کے شعری نظریات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرثیوں میں فن سے زیادہ فکر کو ترجیح دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے مرثیوں میں لفظی صنعت گری کے نمونے کم ہی ملتے ہیں۔ ان کے نزدیک شاعری محض لفظوں کا کھیل نہیں بلکہ اصل چیز لفظوں کا مفہوم ہے۔ شاہد نقوی کے مجموعوں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنے سے ہمیں شاعری کی فنی و فکری پہلوؤں کو سمجھنے اور اس کے معیار کو متعین کرنے میں مدد ملے گی۔ زیر نظر مجموعہ شاہد نقوی کے مرثیوں کا پہلا مجموعہ ہے جو ۱۹۷۶ میں شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں کل آٹھ مرثیے شامل ہیں۔ ان میں ہلاکت و شہادت، جادہ تسلیم، امامت الٰہیہ، قرآن و اہلبیت، ظہور امام، کربلا بعد کربلا، ماں کا دل وغیرہ شامل ہے۔ اب ذیل میں ان مرثیوں کا تجزیہ پیش کیے دیتے ہیں۔

اس مجموعے میں شامل پہلا مرثیہ ہلاکت و شہادت ہے جو تریسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔ ان کے مرثیوں کا مطالعے کے دوران جو چیز ہمیں نظر آتی ہیں وہ ان کے مرثیوں میں موضوعات کا تنوّع ہے۔ شاہد نقوی اپنے مرثیوں میں بعض ایسے مضامین پر بحث کرتے ہیں جنھیں آپ سے پہلے کے مرثیہ نگاروں نے قابل توجہ نہیں سمجھا تھا۔ واقعاتِ مابعد کربلا، ظہورِ مہدیؑ، فلسفہ تسلیم و رضا، افادیت مجلس اعزا اور امامت الٰہیہ کی طرح اور بے شمار ایسے موضوعات ہے جو شاہد نقوی نے پہلی مرتبہ اپنے مرثیوں میں استدلالی طور پر پیش کرتے ہوئے ان پر تفصیل سے بحث کی۔ اس اعتبار سے شاہد نقوی منفرد مقام کے حامل ہیں۔ وہ جدید مرثیے کی عام روش کے مطابق واقعات بیان نہیں کرتے بلکہ آپ نے واقعہ نگاری کی طرف کم توجہ دی کیونکہ وہ زیادہ تر انسانی زندگی کے عام مسائل اور اقدار کی شکست و ریخت پر قلم اٹھاتے ہوئے واقعاتِ کربلا کا کوئی اہم پہلو نمایاں کرتے ہیں۔ وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ کربلا کا تاریخی واقعہ انسانی احساسات کو ضرور متاثر کرتا ہے اور پھر شہادت کے واقعات تو مسلمانوں کے سامنے ایک زندہ مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مضامین کی تازگی کے سلسلے میں "شہادت اور ہلاکت" ایک شاہکار مرثیہ ہے جس میں شاعر نے شہادت کی اہمیت کی ہے۔ شاعر کے بقول شہادت ایک عظیم درجہ ہے اور یہ ہر انسان کو نصیب نہیں ہوتی۔ جنھوں نے میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کا ساتھ دیتے ہوئے یزید جیسے فاسق و فاجر حاکم سے لڑ کر راہ خدا میں اپنی جان قربان کی اسے شہادت کی موت کہتے ہیں۔ جو شہید ہوتا ہے وہ مرتا نہیں ہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوتا ہے اور دوسرا راستہ ہلاکت کا راستہ ہے جو یزید کے حامیوں نے اپنایا ہوا تھا اور وہ لوگ پیغمبر اکرم حضرت محمد ﷺ کے نواسے حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے میدانِ کربلا میں آئے اور جہنم واصل ہوئے ایسے لوگوں کی موت کو ہلاکت کی موت کہتے ہیں۔

یہ ہلاکت ہے کہ انساں راہِ شر پر جان دے　　یہ ہلاکت ہے کہ حرص و مال و زر پر جان دے
یہ ہلاکت ہے کہ حسنِ فتنہ گر پر جان دے　　یہ ہلاکت ہے کہ حاکم کی نظر پر جان دے
جس کا رخ اقدارِ اعلیٰ کی طرف سے پھر گیا
جس قدر اونچا اڑا اتنا ہی نیچے گر گیا(۳)

ہلاکت کے بارے میں بتانے کے بعد اب شہادت کی حقیقت کا ذکر کرتے ہیں کہ شہادت کوئی معمولی اور چھوٹی بات نہیں ہے کہ جو چاہے یہ درجہ حاصل کرے بلکہ شہادت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے حق کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس طرح میدان کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب نے اختیار کیا اور شہادت نوش فرمایا۔

امر حق پر سر جھکانے کا شہادت نام ہے　　دل میں برچھی کو چھپانے کا شہادت نام ہے
شوق سے بازو کٹانے کا شہادت نام ہے　　تیر کھا کر مسکرانے کا شہادت نام ہے

دور کیوں جاؤ کسی شمعِ ہدایت کے لیے
کربلا معیارِ آخر ہے شہادت کے لیے (۴)

اسی طرح جب حضرت زینب کے سامنے ان کے دونوں جوان بیٹوں کی لاشیں لائی جاتی ہیں تو ایک ماں اور ایک اولوالعزم ہستی کے ملے جلے جذبات کی عکاسی میر انیس نے کچھ یوں کیا ہے:

نے کچھ ترک نہ بخت شہیدوں کو چاہیے
مرنا اسی طرح سے سعیدوں کو چاہیے (۵)

جب حق کی راہ میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرماتے ہیں تو وہ کامیابی کے ساتھ اس دنیا سے خوش ہو کر چلے جاتے ہیں اور امام کی بارگاہ میں خوشی و مسرت کے ساتھ اپنے زخم دکھاتے ہیں اور اپنی اس قربانی کا حق حاصل کر لیتے ہیں۔

سرخرو ہو کر جب اس دنیا سے جاتا ہے شہید　　ناز سے زخم اپنے آقا کو دکھاتا ہے شہید
اپنی جاں بازی کا یہ انعام پاتا ہے شہید　　مسکراتی ہے مشیت مسکراتا ہے شہید
تولتی ہے اس کی نظروں کو عطا معبود کی
چومتی ہے اس کے زخموں کو رضا معبود کی (۶)

ان کے مرثیے فکر، فن، تفکر، تخیل اور حسنِ موضوع اور حسن اظہار کا ایک دلکش مرقع ہیں۔ آپ نے گلدستہ معانی کو نئے ڈھنگ سے باندھنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ میں تلاش کیا ہے۔ کربلا حق اور صبر کی وصیت کا مکمل ترین نمونہ ہے اور حق کی راہ میں قربانی پیش کرنے کا وہ اعلیٰ ترین کارنامہ ہے جسے اصطلاح میں "ذبحِ عظیم" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

کربلا عزمِ شہادت کا عظیم انداز ہے　　کربلا دستِ اجل میں زندگی کا ساز ہے
کربلا انجام سے چھینا ہوا آغاز ہے　　کربلا شبیرؑ کی نکھری ہوئی آواز ہے
کربلا جو حق پرستی کی علامت بن گئی
کربلا جو معنیِ لفظِ شہادت بن گئی (۷)

کربلا کی یہ معرفت نگاہ و دل کی پاکیزگی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اس لیے کہ کربلا تاریخی واقعات سے بڑھ کر حقانیت و روحانیت سے عبارت ہے اسی لیے شاعر نے یہ اشارہ کیا ہے۔ جوش ملیح آبادی اپنے ایک مرثیے میں کربلا کو مشعل انقلاب کی علامت قرار دیتے ہوئے یوں کہاں ہے:

فکر حق سوز یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی (۸)

نفسِ مطمئن کا یہ دوسرا مرثیہ "جادۂ تسلیم" یعنی تسلیم و رضا کا راستہ یعنی وہی کربلا کا راستہ ہے جہاں حضرت امام حسینؑ اپنے نانا کے دین کو بچانے کے لیے اپنے اصحاب کو لے کر نکلے اور راہِ خدا میں اپنی جانیں قربان کر دیں اس راستے کو تسلیم و رضا کا راستہ کہتے ہیں اسی راستے پر حق و باطل کے درمیان جنگ ہو گئی تھی اور حق نے باطل کو شکست دے کر تا قیامت ذلیل و رسوا کر دیا اور شاعر اس مرثیے کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

ہو جاتی ہے طے منزلِ تسلیم و رضا بھی　　انسان کے دل میں ہو اگر خوفِ خدا بھی

بندے کا ارادہ بھی ہو مالک کی عطا بھی　　یثرب سے بہت دور نہیں کرب و بلا بھی
کیا اب بھی ہے شک عزم کی قوت میں کسی کو
دیکھا نہیں دنیا نے حسین ابنِ علیؑ کو (۹)

جب انسان حق کے راستے پر چلتا ہے تو اسے جس طرح کی بھی مشکلات پیش آئیں وہ ان کا سامنا کر سکتا ہے۔ جب اس راہ پر چلنے کے لیے ایک قدم آگے بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید دس قدم آگے بڑھنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ جو راہ میدانِ کارزار میں حضرت امام حسینؑ نے اپنائی تھی وہی حق کا راستہ تھا جس پر عمل پیرا ہو کر باطل سے مقابلہ کرتے ہیں تو موت بھی شہد سے زیادہ میٹھی لگتی ہے۔ کربلا کے میدان میں باطل شکست لوگوں سے مقابلہ کرتے وقت جب اصحابِ حسینؑ شہید ہوتے تھے تو حضرت امام حسینؑ شکر کے سجدے بجالاتے تھے اور کہتے تھے خدایا میری اس قربانی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔

آتی ہے پھر اس راہ میں وہ منزلِ دشوار　　آپس کا تعاون بھی جہاں ہوتا ہے بیکار
پاتا ہے بشر خود کو وہاں بے بس و ناچار　　کھلتا ہے کہ ہے اور کوئی مالک و مختار
خم ہوتی ہے گردن یہیں احساس انا کی
ہے منزلِ اول یہی عرفانِ خدا کی (۱۰)

اسی موضوع کو میر انیس یوں بیان کرتے ہیں:

یہ گوہر نایاب ہے پاکیزہ صدف ہے
سونپا ہے تجھے میں نے نگیں در نجف ہے (۱۱)

شاہد نقوی کے مرثیوں کی بنیاد زیادہ تر قرآن کی کسی آیت پر ہوتی ہے۔ آیت کے ذیل میں وہ اپنے موضوع سے متعلق احادیث اور تاریخی حوالوں سے استدلال پیش کرتے ہیں۔ نفسِ مطمئن میں موجود تیسرا ان کا مشہور مرثیہ جس کا عنوان ہے "امامت الٰہیہ" ہے یہ بھی ایک آیت سے شروع ہوتا ہے اس مرثیہ کیے عنوان سے متعلق سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۴ کا انتخاب شاعر کے باخبر ہونے کی دلیل ہے۔ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا اور انھوں نے اس کو تمام کر دکھایا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے پاک پروردگار کیا یہ منصب میری اولاد کو بھی ملے گا؟ تو اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا ہاں ملے گا مگر ظالموں کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے۔

ہے آزمائش آج ذبیح و خلیلؑ کی　　طے ہو رہی ہے منزلِ تسلیم و بندگی
ہے حکم رب پسر کے گلے پر چلے چھری　　مخصوص ہو چکی ہے جزائے خلیلؑ بھی
لو وہ چھری پسر کے گلے کی طرف چلی
حق کی رضا اِدھر سے امامت بکف چلی (۱۲)

حضرت ابراہیمؑ کو نبوت تو پہلے مل چکی تھی لیکن بعد میں امامت ملی اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ امامت، نبوت سے بھی مافوق درجہ ہے اس نکتہ کی وضاحت شاہد نقوی اس طرح کی ہے: موضوع پر آپ کی گرفت شاعرانہ انداز سے ہر پہلو پر رہتی ہے۔ آیت کے آخری ٹکڑے پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

او لاد کے لیے جسے چاہا خلیلؑ نے
مشروط کر دیا جسے ربِ جلیل نے(۱۳)

اقبال نے اپنی نظم ذوق اور شوق میں حضرت ابراہیم کی عشق اور امام حسینؑ کی صبر کو یوں بیان کیا ہے:

صدق خلیل بھی عشق ،صبر حسینؑ بھی عشق
معرکہء وجود میں بدرو حنین بھی عشق ہے(۱۴)

شاہد نقوی کے یہ اشعار تفکر سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ شاعرانہ حسن بھی پیش کرتے ہیں۔ یہاں بعض تراکیب و الفاظ منفرد انداز میں استعمال کی ہیں مثلاً جادۂ حیات، افقِ روح، قبائے حیات، منتہائے فکر اور اک جزو کل، تکمیلِ آدمی، نقشِ کارِ جہاں ہدایتِ فردا وغیرہ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کی امامت کو بطرزِ اشارت پیش کیا ہے۔

جس کی نگاہ وقت سے رفتار چھین لے باغی　　نظر سے جرائت پیکار چھین لے
منکر کے لب سے قدرتِ انکار چھین لے　　دستِ اجل مروڑ کے تلوار چھین لے
گردش زمیں کی روک دے جو اک نگاہ سے
چاہے تو آفتاب پلٹ آئے راہ سے(۱۵)

عام طور سے بیت چوتھے مصرعے سے نکلتی ہے تو بند کا حُسن دوبالا ہو جاتا ہے لیکن آپ کے مرثیوں میں ایسا نہیں ہوتا اور اس بند میں بھی عیب موجود ہے اور چوتھے مصرعے سے بیت کا کوئی خاص ربط نہیں ہے ہاں پہلا مصرع بیت کو واضح کرتا ہے اس کے علاوہ بیت کے دونوں مصرعوں میں دو الگ الگ باتیں کہی ہیں جس کی وجہ سے اس میں تضاد نظر آتا ہے یہاں ان کے علومِ جدیدہ تاریخ کے دوراہے پر عالم تشکیک میں نظر آتے ہیں۔ تاریخی حیثیت سے زمین کی گردش روکنے کی ہدایت کسی کتاب میں نہیں ملتی لیکن ہاں زلزلے کو روکنے کی ایک روایت ہے لیکن زلزلہ اور گردش میں بہت بڑا فرق ہے اس دعوے کی سلسلے میں دوسرا بند لاجواب ہے۔ مجموعی اعتبار سے شاہد نقوی جس موضوع کا انتخاب مرثیے کے لیے کرتے ہیں تو وہ شروع سے آخر تک موضوع سے نہیں ہٹتے ہیں اس وجہ سے ان کے مرثیے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ جدید مرثیے کی تاریخ میں ان کی آواز بہت دنوں تک گونجتی رہے گی۔ سید ال رضا کے بعد اس انداز فکر سے آگے بڑھنا اور اپنا ایک الگ راستہ بنانا بہت مشکل تھا لیکن انھوں نے اس راستے کو اپنے منفرد لب و لہجے میں طے کر لیا ہے اور ایک جگہ پر منظر نگاری کرتے ہوے کہتے ہیں:

دشتِ منیٰ میں دھوپ کی شدت ہے آج کل　　موسم میں انتہا کی حرارت ہے آج کل
ہر ذرہ آفتابِ قیامت ہے آج کل　　ریگ تپاں میں شعلوں کی حدت ہے آج کل
صحرا کا ہے تپش سے عجب حال ان دنوں
موج ہوا ہے آتشّ سیال ان دنوں(۱۶)

اس شعر میں آپ نے دشت منیٰ میں دھوپ کی شدت اور حرارت کی انتہا کو نمایاں کرنے کے لیے وہاں کے ایک ایک ذرے کا انتخاب، آفتاب قیامت سے موازنہ کرنے کا تخیل اور پھر صحرا کی تپش کو اجاگر کرنے کے لیے موج ہوا کو آتش سیال سے تشبیہ دینے کا انداز شاعر کی تخیلاتی پرواز کی علامت ہے لیکن یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تخیل کی یہ سطح موضوع کی اہم ضرورت تھی اسی طرح آپ امامت الٰہیہ میں علم الکلام کی بحث میں بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے خاتمے کے بعد انسانوں کو ایسے ہی نہیں چھوڑا

بلکہ تسلسل امامت کو قائم رکھا اور یہ تسلسل نبوت کے بعد ہی ممکن تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبوت کے بعد ہی منصبِ امامت پر فائز کیا اور ساری دنیا کا امام بنایا اور اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے وجعلتالناس اماما۔

سجدے میں ہیں خلیلؑ امامت عطا ہوئی　　دامن کُشا نوازشِ ربِ عُلا ہوئی
قربانیِ رسول قبولِ خدا ہوئی　　کیا ہے امام اس سے نظر آشنا ہوئی
واضح ہوا یہ امر خدائے جلیل سے
یہ مرتبہ بلند ہے اوجِ خلیلؑ سے (۱۷)

نفس مطمئن میں شامل ایک اور خوب صورت مرثیہ قرآن و اہل بیت کے عنوان سے ہے۔ کربلا حق اور صبر کی وصیت کا ایک مکمل ترین نمونہ اور حق کی راہ میں قربانی پیش کرنے کا وہ اعلیٰ ترین کارنامہ ہے جسے اصطلاح میں "ذبحِ عظیم" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حق و باطل کا بھر وسہا مادی طاقت پر ہوتا ہے اور حق کا اعتبار صرف صبر پر ہوتا ہے، باطل کی جنگ خوں ریزی اور فساد ہے، حق کی جد وجہد قیام عدل اور جہاد، حق و باطل کی یہ کشمکش ازل سے جاری ہے۔ اسی موضوع کو جوش نے یوں پیش کیا ہے:

کوئی کہہ دے یہ حکومت کے نگہبانوں سے
کربلا اک ابدی جنگ ہے سلطانوں سے (۱۸)

شاہد نقوی نے بھی خوبصورت شعری پیرائے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

یہ خیر کے نقیب رسولانِ کردگار　　پیہم جنودِ شر سے رہے صرفِ کارزار
ہر دور میں رہی حق و باطل کی گیر ودار　　الجھے قدم قدم پہ سفیر انور ونار
صبحِ ازل سے جنگ کا یہ باب کھل گیا
انسان خیر و شر کے ترازو میں تُل گیا (۱۹)

سفیران نور و نار کی یہ کشمکش کربلا میں اپنی انتہا پر نظر آتی ہے۔ ایک طرف دیں پناہی اپنے کمال پر ہے تو دوسری طرف دنیا پرستی اپنی انتہا پر نظر آتی ہے۔ ایک طرف نماز و بندگی اللہ اور رسول کی اطاعت اور قرآن کی حفاظت کا قرینہ ہے تو دوسری طرف قتل و غارت گری اور کشت و خون کی منصوبہ بندی ہے اس تصویر کو شاہد نقوی کے ایک بند میں ملاحظہ فرمائے:

فارغ ہوئے نماز سے شاہِ فلک نشیں　　آمادہ جنگ پڑتھے اُدھر صبح سے لعیں
لپکیں سنائیں، تیر اڑے برچھائیاں چلیں　　والفتح کہہ کے آگے بڑھی فوجِ شاہِ دیں
باطل کی ہر روش کو کچلتی چلی گئی
قرآن کے مزاج میں ڈھلتی چلی گئی (۲۰)

حق و باطل کی اس کشمکش کا نتیجہ وہی ہوا جس کی قرآن نے بشارت دی تھی۔ حق کامیاب ہو گیا اور باطل مٹ گیا باطل تو ہے ہی فنا ہونے والی چیز ہے۔ کربلا حق کے فتح کی روشن دلیل ہے۔ ڈاکٹر یاور عباس کے اس مصرعے میں امام حسینؑ کی صبر کو خوب صورت طریقے سے پیش کیا ہے:

"نام حسینؑ صبر کی طاقت کا نام ہے" (۲۱)

شاہد نقوی کے اکثر مرثیوں میں علمی مباحث بھی ملتے ہیں۔ یہ مباحث کوئی سطحی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان میں گہری سوچ کے ساتھ ساتھ "علمی تحقیق" کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ علمی مباحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علم الکلام، علم البیان، علم مناظرہ اور علم تاریخ وغیرہ میں گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ "قرآن و اہل بیتؑ" کے مرثیے میں اہلِ بیتؑ اور قران کی تعلق کے بارے میں آپ کی علمی بحث بہت ہی اہم ہے۔ در اصل اس مرثیے میں شاہد نقوی نے حضورؐ کی ایک حدیث کو بنیاد بنا کر اسے علمی طریقے سے بیان کیا ہے۔ ترجمہ "میں تم لوگوں کے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کے جارہا ہوں ایک قرآن اور دوسرے اہلِ بیتؑ ہے۔

اسلام کا نصاب ہیں قرآن و اہل بیتؑ　　قصر و عمل کا باب ہیں قرآن و اہل بیتؑ
ہر رخ سے کامیاب ہیں قرآن و اہل بیتؑ　　ہر عذر کا جواب ہیں قرآن و اہل بیتؑ
قرآن کا جو بھی حکم بظاہر محال ہے
کردار اہل بیتؑ میں اس کی مثال ہے (۲۲)

شاہد نقوی کے مرثیوں کی اہم خوبی اظہارِ صداقت اور بیانِ واقعیت ہے جو آپ کے صحت مند رجحان اور مہذب سلیقہ مندی کا اظہار ہے۔ انسانیت شعورِ صداقت کا نام ہے۔ شاہد نقوی نے اپنے مرثیوں کے ذریعے اظہار صداقت اور بیان واقعیت کا مقدس فریضہ سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ قرآن و اہلِ بیتؑ کے مرثیوں کے آخر میں حضرت زینبؑ کے مصائب کا ذکر ہے۔ جب حضرت زینبؑ حضرت علیؑ کے سامنے بین کرتی ہیں تو اس کا منظر کچھ اس انداز میں شاہد نقوی نے پیش کیا ہے۔

بابا اُجڑ رہا تھا مرا گھر میں پاس تھی　　روتا تھا مجھ پہ میرا مقدر میں پاس تھی
ہنستا تھا تیر کھا کے جب اصغرؑ میں پاس تھی　　جب باپ سے چُھٹا علی اکبرؑ میں پاس تھی
دیکھا حضور مجھ پہ جو عالم گزر گیا
بابا میں چُپ رہی مرا عباسؑ مر گیا (۲۳)

میر انیس حضرت زینب کی بین یوں بیان کرتے ہیں:

سب روتے تھے کچھ منہ سے نہ فرماتی تھی زینب
غش آتا تھا جب لاشوں پہ جھک جاتی تھی زینب (۲۴)

آپ کے مرثیوں میں مقصدیت ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس اعتبار سے آپ کے مرثیے کلاسیکی مرثیوں سے بہت منفرد ہیں کہ آپ کے ہاں افادی، اصلاحی اور انقلابی نقطہ ہائے نظر کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے واقعہ کربلا کو اسلام کی تفسیر اور تبلیغ کے طور پہ پیش کیا ہے۔ اس مقصدیت کی وجہ سے آپ کے ہاں اخلاقی عظمت نمایاں ہے۔ شاہد نقوی کے مرثیوں میں اخلاق کاملہ کی تعبیر ملتی ہے۔ وہ اپنے فن کے ذریعے مسلمانوں میں ایثار، قربانی، یقین، استقلال، عزم و ثبات، صبر و صداقت اور تہذیبِ غم جیسی صفتیں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ شاہد نقوی اپنے مرثیوں کا آغاز مسائل زندگی سے کرتے ہیں اور مسائل کی وضاحت کے بعد اہلِ بیت اطہار یا حضرتِ امام حسینؑ اور ان کے عزیز و اقارب اور دوستوں کی قربانی و شہادت کی مثال سامنے رکھ کر مسائل کا حل پیش کرتے ہیں ان کے مسائل زیادہ تر انسانی قدروں کی شکست و ریخت اور زندگی کے انتشار و آشوب کے متعلق ہوتے ہیں لیکن وہ ان کا حل روایات و اقدار اور عقائد میں تلاش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ روایات و اقدار اور عقائد ان کی زندگی میں رچی بسی ہیں اس لیے ان کے مرثیوں میں ان کا موثر اظہار ہوتا ہے۔ سیاسیات، اقتصادیات اور نفسیات وغیرہ کے جدید نظریات سے وہ سروکار نہیں رکھتے لہذا ان کے مرثیوں میں

خطابت کے عناصر اور نعرے بازی نہیں ہے۔ نفس مطمئن میں شامل مرثیوں میں سے ایک مرثیہ "ظہورِ امام ہے۔ اس مرثیے کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں فکر کی گہرائی موج زن ہے۔ ندرتِ افکار شاہد نقوی کے ہاں فکر کی گہرائی کا بنیادی سبب ہے۔ شاعری کے لیے تخیل کی آمیزش ضروری ہے اس کے ساتھ ہی حقیقت کو بھی جگہ دینی چاہیے۔ تخیل میں مبالغہ آرائی حد سے بڑھی ہوئی نہ ہو تو وہ حقیقت کے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔ شاہد نقوی کا تخیل ارضی سطح سے اپنا دامن نہیں چھڑاتا یعنی کہ آپ کے مرثیوں میں فکر، تخیل اور حقیقت کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔

آیا کبھی بہار پہ گردین کا چمن　　ابھرا بدی کا ناگ اٹھائے خزاں کا پھن
کیا کیا نہ حق کچلنے کی خاطر کیے جتن　　آیا بدل بدل کے لباس اپنا ارہمن
فرعون بن گیا کبھی نمرود بن گیا
موقع ملا تو مہدیِ موعود بن گیا ۲۵

اس مجموعے میں شامل ایک مرثیہ کربلا بعدِ کربلا بھی ہے۔۔ شاہد نقوی اپنے مرثیوں میں سامعین کو کربلا اور کربلا سے راہ بقا کی طرف متوجہ کراتے ہیں۔ کردار، واقعات، اسباب اور نتائج کا ہلکا ہلکا پرتو اور خوبصورت سایہ نگاہوں کے سامنے لاتے ہیں اور دلوں میں اترتے ہیں۔ مرثیہ گو مرثیے میں رزم، بزم، مسائل حیات اور ظلم کی دست درازیاں بیان کرتا ہے اور مجلس کو رونق بخشتا ہے اور ظلم کے خلاف ابھارتا ہے، اخلاق و افکار کی تطہیر کا سبق دیتا ہے، بدلے کی ساعت کا انتظار اور امن و سلامتی کی جستجو کا مشورہ دیتا ہے۔

تحریکِ ارتقا مسلسل ہے کربلا　　ہر آج کی نکھرتی ہوئی کل ہے کربلا
آئینہ شعور کی صیقل ہے کربلا　　دستورِ حق کی شرحِ مفصل ہے کربلا
مبہم رہِ حیات نہ کل تھی نہ آج ہے
بالقصد گمرہی کا مگر کیا علاج ہے (۲۶)

شاہد نقوی نے "واقعۂ کربلا" کے ذریعے اخلاق و افکار کی تطہیر اس طرح کی ہے کہ اس واقعے کی ابدی اور آفاقی معنویت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ آپ نے اس واقعے کی روشنی میں اجتماعی زندگی کے سیاسی معاشی اور اخلاقی غرض تمام گوشوں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاہد نقوی خود بھی حق گوئی کو پسند کرتے تھے اور دوسروں کو بھی یہی سبق دیتے تھے کہ کربلا حق کی راہ میں قربانی پیش کرنے کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ شاہد نقوی اپنے مرثیوں میں جدید دور کے حالات واقعات کو پیش کرتے ہوئے اپنے قاری کو آہستہ آہستہ کربلا اور کربلا سے راہِ بقا تک لے جاتے ہیں۔ کوئی بھی فن پارہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں فنکار کا خلوص شامل نہ ہو۔ شاہد کے مرثیوں کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ اس میں آپ کا خلوص شامل ہے۔ اس مجموعے میں شامل آخری مرثیہ ماں کا دل ہے جو کل چھیاسٹھ بندوں پر مشتمل ہے اس مرثیے میں شاعر کا اندازِ بیان اپنے دیگر مرثیوں دوسرے تمام شعرا سے کچھ الگ دکھائی دیتا ہے کہ اس کی شروعات میں شاعر کہتے ہیں کہ انسانوں کے لیے کون سی چیز اہم ہے اور کون سی چیز اہم نہیں یعنی اس مرثیے میں شاعر نے انسانی زندگی کے مسائل پر بحث کی ہے اور یہ انسانی مسائل اپنی نوعیت کے حوالے سے سے ایک نئے فلسفے کو بھی جنم دیتے ہیں اور انسانوں کی سوچ، سادہ انداز میں اساس کی جانب اشارہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ماں کا وجود مقدم ہے اور ساتھ ہی ماں کی محبت بہت ہی ضروری ہے جو کہ ہر انسان کے لیے ہے کیونکہ ماں کی محبت میں شفقت اور نرمی کی انتہا ہے۔ ماں کی قدموں تلے جنت بھی ہے اور اس عظیم ماں کا ذکر کرنے سے پہلے یہ یاد رکھنا ہو گا کہ ماں کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ مرثیہ ماں کا دل سے یہ بند ملاحظہ کریں:

تخلیقِ کائنات کا محور ہے ماں کا دل　　صدر نگِ حیات کا منظر ہے ماں کا دل
تصویرِ حسنِ ذات کا زیور ہے ماں کا دل　　اللہ کی صفات کا مظہر ہے ماں کا دل
دعویٰ اگر ہے معرفت کردگار کا
قدناب کر دکھائے کوئی ماں کے پیار کا (۲۷)

انیس او دبیر نے جس طرح سے صنف مرثیہ کو ادب کا گنجینہ بنایا اور بام عروج تک پہنچایا ان کے بعد جدید مرثیہ نگار شاعر شباب جوش ملیح آبادی نے جدید مرثیے کا آغاز آوازہ حق سے کیا اور جوش کے کاروان میں اضافہ ہوتا گیا یوں اکیسویں صدی کے معروف مرثیہ نگاروں میں قیصر بارہوی، یاور عباس، شاہد نقوی، نسیم امروہوی، وحید الحسن ہاشمی، علامہ طالب جوہری اور ڈاکٹر ہلال نقوی وغیرہ کے مرثیوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان شعرا نے نہ صرف فنی اعتبار سے بلکہ فکری حوالے سے بھی مرثیے کو جدید دور کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں مرثیے کی صنف کو مقبول کرنے والوں میں شاہد نقوی کا نام بھی پیش پیش ہے۔ آلِ رضا اور جوش جدید مرثیے کے بڑے نقیب ہیں اور شاہد نقوی اسی جدیدیت کے علمبردار ہیں۔ آپ اپنے مرثیے مسائلِ زندگی سے شروع کرتے ہیں، ان مسائل کا وضاحت کے بعد اہل بیت اطہارؑ یا امام حسینؑ کے عزیز و اقارب اور دوستوں کی قربانی اور شہادت کی مثال سامنے رکھ کر مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ ان کے مسائل زیادہ تر انسانی قدروں کی شکست و ریخت اور زندگی کے انتشار و آشوب سے متعلق ہوتے ہیں لیکن وہ ان کا حل روایات و اقدار اور عقائد میں تلاش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ روایات و اقدار و عقائد ان کی زندگی میں رچی بسی ہیں اس لیے اُن کے مرثیوں میں ان کا موثر اظہار ہوتا ہے۔ سیاسیات، اقتصادیات اور نفسیات وغیرہ کے جدید نظریات سے وہ سروکار نہیں رکھتے لہذا ان کے مرثیوں میں خطابت کے عناصر اور نعرے بازی بھی نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حالی، الطاف حسین، مقدمہ شعر شاعری، لاہور، خذینہ علم وادب، ۲۰۰۱، ص ۱۵۰
۲۔ ملیح آبادی، جوش، جنون و حکمت، دہلی، کلیم بک ڈپو دریا گنج، ۱۹۳۷، ص ۳۷
۳۔ نقوی، شاہد، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۵۵
۴۔ ایضاً، ص ۵۹
۵۔ ہاشمی، نسیم انوار، میزان تنقید، کراچی، بک سینٹر، ۱۹۹۵، ص ۱۱۶
۶۔ نقوی، شاہد، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۵۸
۷۔ ایضا، ص ۶۰
۸۔ ضمیر اختر نقوی، علامہ، جوش ملیح آبادی کے مرثیے، کراچی، ادارہ فیض ادب، ۱۹۸۱، ص ۳۹
۹۔ شاہد، نقوی، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۶۷
۱۰۔ ایضاً، ص ۶۲
۱۱۔ علی اکبر، حاجی، مرتب، انتخاب مراثی میر انیس، کراچی، محفوظ بک ایجنسی، ۲۰۰۷، ص ۲۳۵
۱۲۔ نقوی، شاہد، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۸۷
۱۳۔ ایضاً، ص ۸۶

۱۴۔ اقبال، علامہ، بال جبریل، لاہور، مکتبہ امتیاز اردو بازار، ۱۹۳۵، ص ۶۷

۱۵۔ نقوی، شاہد، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۹۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۸۷

۱۷۔ شاہد، نقوی، سید، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۸۸

۱۸۔ ضمیر اختر نقوی، علامہ،، جوش ملیح آبادی کے مرثیے، کراچی، ادارہ فیض ادب، ۱۹۸۱، ص ۲۵

۱۹۔ شاہد، نقوی، سید، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۱۰۸

۲۰۔ شاہد، ص ۱۲۱

۲۱۔ ضمیر اختر نقوی، علامہ،، جوش ملیح آبادی کے مرثیے، کراچی، ادارہ فیض ادب، ۱۹۸۱، ص ۲۷۱

۲۲۔ شاہد، نقوی، سید، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۱۱۵

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۲۴

۲۴۔ علی اکبر، حاجی، مرتب، انتخاب مراثی میر انیس، کراچی، محفوظ بک ایجنسی، ۲۰۰۷، ص ۱۹۶

۲۵۔ شاہد، نقوی، سید، نفس مطمئن، لاہور، اظہار الحسن سنز، ۱۹۷۶، ص ۱۵۱

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۶۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۹۱

References in Roman Script

1. Haali, Altaf Hussain, Muqaddimah shair o Shayari, Lahore, Khazina Ilm-o-Adab, 2001, p. 150
2. Malih Abadi, Josh, Junoon aur Hikmat, Delhi, Kalim Book Depot Daryaganj, 1937, p. 37
3. Naqvi, Shahid, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 55
4. Ibid, p. 59
5. Hashmi, Naseem Anwar, Mizan Tanqeed, Karachi, Book Center, 1995, p. 116
6. Ibid, p. 58
7. Naqvi, Shahid, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 60
8. Zamir Akhtar Naqvi, Josh Malih Abadi ke Marsiye, Karachi, Idara Feiz Adab, 1981, p. 39
9. Ibid, p. 67
10. Naqvi, Shahid, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 62
11. Ali Akbar Haji, Intikhab Marathi Mir Anis, Karachi, Mahfooz Book Agency, 2007, p. 235
12. Naqvi, Shahid, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 87
13. Ibid,p. 86
14. Iqbal, Allama, Bal Jibril, Lahore, Maktaba Iqbal Urdu Bazar, 1935, p. 67
15. Naqvi, Shahid, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 91
16. Ibid, p. 87
17. Ibid, p. 88
18. Zamir Akhtar Naqvi, Josh Malih Abadi ke Marsiye, Karachi, Idara Feiz Adab, 1981, p. 25

19. Shahid Naqvi, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 108
20. Ibid, p. 121
21. Zamir Akhtar Naqvi, Josh Malih Abadi ke Marsiye, Karachi, Idara Feiz Adab, 1981, p. 271
22. Shahid Naqvi, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 115
23. Ibid, p. 124
24. Ali Akbar Haji, Intikhab Marathi Mir Anis, Karachi, Mahfooz Book Agency, 2007, p. 196
25. Shahid Naqvi, Nafs Mutmain, Lahore, Azhar-ul-Hasan Sons, 1976, p. 151
26. Ibid, p. 167
27. Ibid,p. 91